انجانب

ہولی - ہولی

وہ بھی ہولی ہوئی اور خوب ہوئی۔ جا بجا راکھ کے ڈھیر نظر آتے ہیں جہاں تک کہ سنا ہے کہیں نہیں بچے رکھا ہے کہ رات کو جلاتی اور دن کو جلاتی - ہی کو کہتے ہیں۔ اور بعض نے اس ہولی کی جھل مٹانے کی بہت کوشش کی کہ ایک پھینٹا ۔ رنگ چھینٹے ۔ پہلے ہی سے چھینٹے پر چھینٹے پڑتے ہیں۔ مگر اس کی انتہا یہ آگ تیز تر ہوتی تھی۔ اموات کی کثرت ہے لوگ پہلے ہی سے مریا سا لگے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سردی نے بھی ظاہر کی مہربانی کا سامان بہم پہنچایا۔ اچھی ہو کر گھر بیٹھ رہے تو بات ہے جائے سماں کے دو ایک بیس بیٹھے ہیں۔ دوسرے جب اشتیم یاسے چھپا منش درج میں ہیں کہ ایسے رنگ ڈھنگ کا ظاہری گلال اچھلتا ہوا ایمان نہ بچا سکے۔ جہاں کے سرخ و سیاہ گلال چہروں سے ہوتے ہوئے بنخلے سر حد ان تک بھی جا پہنچا ہوگا۔ مگر یہ یاد رہی کی مستیاں کہیں ہماری حد میں نہ دخول کر بیٹھے۔ اسی میں ہی ہولی کو بڑا وابستہ کے روپ سے ذکر ہے۔

بعض ریاستوں میں تو بڑا وابستہ عیب نہیں۔ مگر وہاں تو انداختہ معمولہ بہت ہوتی ہیں۔ خصوصاً ہولی کا بڑا وابستہ تو ظہر میں داخل ہے۔ یہ لقب تو سال میں ایک ہی دفعہ خوش نصیبوں کو میسر آتا ہے۔ معاذ اللہ اب کی ہولی نے تو سب کو ختنی کا ناچ نچوا دیا۔

ریاستوں کے مجرے ہی پھیکے پڑ گئے۔ مگر انہوں نے اسی تہوار کے سایہ سے فائدہ اٹھا کے سال بھر تک اور اور کی صابیاں لیں۔ اور نہ بھیجے ہوش سے کوڑی۔ پہلے یادوں کی وضع رقی کرتی رہیں۔ مگر اس جلائی ہوئی ہولی نے ان کو بھی بٹے پڑے تیر کے نیچے بٹھا دیا۔ جگہ جگہ ماتم کرتے کی مصورت بنائے پھرتی ہیں۔ مگر اپنے گھر کی آیا جالی میں کسی سے ان سے تماشا بین تک نہ کی۔ یہ بھی جا کر اپنا جھو سا منہ لئے ہوش ٹھکانے آئیں۔ اب گھر ہی چھوڑنے کی ٹھان رہی ہیں۔ دیکھئے کب ہر طاقت ان کی خاک ٹلیں۔ گھر بیٹھ جائی ہیں۔ خدا کرے کوئی کا اللہ بچے اتفاقیہ ان کے ان کو دلیں تکالا دیدے تو آپ گئے کیونکہ نہ ان ہی کی ہولی اور رہا کا سبب ہوتا ہے۔ ان کو دلیس نکالا دیں۔ تو انجانب

بھی مسرور کر دیجئے کو مستند ہو کر دو زانو بیٹھ جائیں۔

اب کے تو بارہ وفاتی پھیلنے ہی اس ہولی کی جھل نہیں مٹائی۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

مشاعرہ دہلے

انجانب علیہ الرحمۃ نے تو جب سے کہ عین مشاعرہ ہی میں پھر جوتم ہوئی اور بیچ بچاؤ کے ذریعہ ہوئے تھے مشاعرہ بازی ہی پر دو روڑہ دیا تھا۔ مگر میر مشاعرہ یا مشاعرہ کن یا خواہ اصحاب اپنی نچولی ٹولی کی گت کے پورا کرنے کے لئے کب گھر میں نچلا بیٹھنے رہنے والے تھے۔ اکثر قسمی و قتہ ہی تکلفات کی تکلیفات اٹھا کر مجبور کرتے ہی رہے۔ آخر شرم حضوری سے معذوری کی کچھ پیری ہی نہ چلی۔ اور وعدہ کر بیٹھے۔ آپ جانتے ہیں کہ وعدہ کا ایفاء اور پھر ہم جیسے صحیح داریوں ذکر کرتے مشاعرہ میں بیٹھنے کا تحیہ کر معتکف ہو گئے۔ اور وہ بھی بیت الخلا کے قریب کے گوشہ میں جو کہ مقصود ارزی غیر مشغی سے انجانب کئی روز بجک مشا بانہ روز بیٹھے بجلی سے۔ اور معرعہ طرح کو الٹ پلٹ کر دے دسے مارتے رہتے۔ انجام کار صبر و شکر کر اور فکر پر جبر کر بچھا کر ایک ہزلیہ غزل گھڑ ہی ڈالی۔ اور جنوری کے آخری ہفتہ کے مشاعرہ میں سلے پہنچے۔ گو ساری غزل ہزل سے کم نہیں ہے۔ بلکہ تھوڑی بہت زیادہ ہی ہوئی۔ مگر اس نئی ہزل میں کہنہ مشقی کا جو رنگ ہے۔ وہ چھپائے سے بھی نہیں چھپتا۔ مشاعرہ کے دیدار و مشتراروں نے بھی اگر گنج نہ دیا۔ تو داد دینے میں کسر نہ رکھی۔ دیکھئے ملاحظہ ہو۔

اس بت کو ذرا بھی مرے تسلیم نہیں ہے ۔ خوش باش وہ اللہ کی نہ تسلیم نہیں ہے
ہیں کہ مجنوں ہوں کہ وہ دلیس نہیں ہے ۔ لیلی مری بیٹھی ہوئی محمل میں نہیں ہے
کعبہ میں بتخانہ میں یا دلیس نہیں ہے ۔ ہے سب جگہ وہ پھر کسی محفل میں نہیں ہے
بزل مرہ شوق کو بکلی رہی سب سے ۔ جیتا ہوا کا ناچ کسی دلیس نہیں ہے
تم لئے ساری ہی تمنائیں بر آئیں ۔ اب وصل کا ارمان بھی سو دلیس نہیں ہے
وہی مردم دیدہ کو تیرے خال نے ترسے ۔ ہم جانتے تھے تیل ہی اس تل میں نہیں ہے
چھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مرتے ہیں تم پر ۔ سچ بولنے والا تری محفل میں نہیں ہے
بزم گیا خاک وہ خطا سے سرخ اس کا ۔ اندھا کنواں اب نام کو بابل میں نہیں ہے
کل دل کا مزا آپ کی صحبت ۔ میٹھا پانی صحبت کا مزا آپ کی کل دل میں نہیں ہے
گھگریں کے جو جام تیرے پاؤں پہ تنبیہ ۔ اتنی ہی تو طاپ نے خسف سے سیل میں نہیں ہے

[illegible]

یاران ہم قافلہ

مہر اسے دنیا ہے خوف کیسا ۔ ہر اک یاں گنج و سبد ہم ہے
رہا سکندر یہاں نہ دارا نہ ہے فریدوں یہاں نہ جم ہے
مسافرانہ تھکے ہو اٹھو ۔ مقام فردوس یا ارم ہے
شہید جاگو ۔ کمر کو باندھو ۔ اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

خداوند ملک الجبار قادر ذوالجلال والاکرام القہار دائم قیوم ۔ مالک الملک زمین و مکان و کل کائنات کا وہ اکیلا ۔ اکیلا ہمیشہ سے ہے اور رہے گا جس وہ زبردست ہے سب اس کی مخلوق زیر دست ۔ اور سب ہی حضور میں اس کے ایک روز اس کے آگے ہوں گے پیش بنی آدم کی جتنی قومیں ۔ بچے ۔ بوڑھے ۔ جوان ۔ مخلوق خلقت ۔ رسا و تخت ۔ ناخلف سلف سے اب تک ۔ اور ابھی سے ابد تک کا آنا جانا رہتا آیا ہے ۔ انسان ضعیف البنیان کا کیا ۔ تمام مخلوقات شجر ۔ حجر ۔ حیوان بری بحری کا سرچشمہ ذات ہی ہے ۔ باری باری سے آتے ہیں ۔ اور بوساطت حکم جاری ۔ اعمال کچہری ۔ اپنی معصیت کا بھاری بوجھ ۔ اوجھا ہر انقول ۔ نیکی کا صند وقچہ در بغل ۔ سراسیمہ و پریشان دل ۔ مالک یوم الدین ۔ حاکم رب العالمین کی پیشی میں جدا جدا رو بکاری ہوگی ۔ سزا جزا کا فیصلہ اس شاہنشاہ ہوں کے شاہنشاہ خود خدا یا محدود کا ناطق ہوگا ۔ جس کی اپیل نہیں ۔ ہمارا وکیل رسالت پناہ احمد مختار ہے ۔ سفارش کا پروانہ ۔ فقال قال من لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ۔ فقد دخل الجنۃ تصدیق کر ۔ الاقرار باللسان تصدیق بالقلب ہونا فرض ہے ۔ کیونکہ قانون آسمانی ۔ فرمان یزدانی کی دفعہ میں اپنے نبی اعظم صلعم کی شفاعت عاصیاں کے واسطے دلنشیں ترجمانی فرمائی ہے ۔ جیسے حافظ لسان الغیب کہتے ہیں ۔

عیب است بہشت اسے خدا شناس برو
کہ مستحق شفاعت گناہگاران اند

فی زمانہ قہر قضا شب و روز ساعت بساعت لمحہ بلمحہ اعلاس بکرہ قبلہ کا دروازہ وا ہے ۔ مقدمات دیوانی تو زد یکھنا عدالت فوجداری بگاڑ انداز کی میں سمن پہلے مرض جاری ہوا کرتے تھے ۔ اور اب بھی ہوتے ہیں ۔ مگر بہت کم ۔ لیکن وارنٹ با ضمانت دیتے طاعون و ہیضہ کے ساتھ جاری ۔ اگر عالم میں ایک دن جس سے باپ ستر بیٹا ۔ ماں سے بیٹی ۔ بہن سے بھائی ۔ بھائی سے بھائی ۔ ایک لحظہ میں اڑ پڑے ۔ موت کا گھیرا ٹوٹ پڑتا ہے ۔ جلال خداوندی کا جنگی قانون جاری ہے ۔ پیر جوان بچوں کی قطار کا تانتا ہے ۔ گو خوشی کا مقام ہے ۔ مگر اسی دن میں کوئی اس نے جان چھوڑی ۔ اس نے دم توڑا ۔ بیٹا دوست فرزند عزیز اور مرگیا تو کوئی اٹھانے والا نہیں ۔ ملک ہو تو کوئی اٹھائے ۔ جالان ۔ گاڑی ۔ ٹھیلا ۔ بھر کر پھینک ۔ پھونک دیا ۔ چل ۔ گردن ۔ گیدڑوں نے بھی نہیں چھوا ۔ گیر نکر چھوا اور میں ۔ داوری مرشد گردی ۔ آج ایک جرم عظیم ۔ عنبر دگر کا دردولت لپٹا ہر عاجز ہو کر عرض رسان ہے کہ جلدی پیروی کی جائے ۔ مقدمہ وکالت لیا جائے ۔ کیونکہ اختر کو فریاد وزاری یعنی بچہ شیر خواروں کا حسرت دیا اس سے وکالت بھی مشکل تھا ۔ کے آغوش ادر ہمیشہ نصیبہ ہونے سے بلکہ خشک سالی سے سسکتا دیکھ کر وکالت منظور کی ۔ درخواست بحضور رب العالمین بوساطت رسالتمآب الرحمۃ للعالمین ۔ اس طرح سے مرتب کی ۔

سائلان بندگان اللہ تعالےٰ جل جلالہ

درخواست معافی قصور

غریب پرور خداوند اللہ جل شانہٗ ۔

ہم گنہگاران زار نزار بحضور مالک ارض و سما کون و مکان لامکان گذارش کرتے ہیں ۔ کہ تو ہمارا خالق ۔ ہم تیری مخلوق گنہگار میدان ادبار و فلاکت ہلاکت میں از دست خود گرفتار ہیں ۔ ہم تین جماعت میں اس طرح پر ہیں شیر خوار تا ختم عمر دو سالی دوم بزرگ ختم عمر جوانی ۔ سوم بڑھاپا تا ختم تمام دنیا ۔ سب سے پہلے جو کہ نابالغ جماعت ہے وہ عرض کرتی ہے ۔

(۱) خداوند تو رزاق خالق سمیع و بصیر خبیر و قدیر مجمع صفات ذاتی ہے تیرا وزیر اعظم بشیر و نذیر فرمانبردار رسول بیان بندہ خاص احمد محمد صلعم ہے جیسا تو واحد لاشریک ہے ویسا ہی وہ محسن مختار ہے ۔ دنیا تیری

برگزیدہ کون و مکاں رسول آخر الزماں ہے سہ

سب ہے کوئی نہ ... ہو گا شریک و

تیری ذات ہے وحدہٗ لاشریک

تیرا بندہ جس کو بیہ گا ہوں کے گناہوں سے بچانے کے واسطے عالم ظہور میں لایا اور جو حضرت رسالت کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اور جمیع مخلوق اور اولاد آدم کی طرف سے آداب عرض کرتے ہیں۔ کیونکہ جو تیرے قانون آسمانی یعنی خاص زبانی سفیر امین (یعنے جبرئیلؑ) رسالت پر نازل کیا۔ اور رسالت مآب نے ہم کو عالم و بشر بنایا۔ اور سکھا کر ہدایت اور حکم سنایا کہ ان احکام کے بموجب پابند رہیں۔

سب سے پہلے دفعہ قانون کا یہ منشاء ہے کہ تو مالک کائنات رب العالمین ہے۔ اس دفعہ کی رو سے بجز بنی آدم دیگر جاندار۔ شجر۔ حجر سب کا تو ہی مالک و خالق ہے۔ دوسری کسی ایک دفعہ کا منشا جو فرمان وزارت کے واسطے صادر ہوئی ہے۔ یعنے (وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین) اس دفعہ سے صاف ظاہر ہے کہ رسالت ہر ایک عالم والے کے واسطے موجب رحمت ہے۔ پس ہم عرض کرتے ہیں کہ ایک ہی فرقہ یا صفتی آدم نہیں بلکہ سب الحرم جمیع اولاد آدم ہیں۔ اور تیرے ہی مخلوق ہیں۔ تیرا ہی نام مختلف طور سے لیا جاتا ہے۔ جیسا (سورنگی) ہماری زبان میں کہتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم سارے جہان کو بھی واحد کر کے پکارا جا رہا ہے۔ مگر مرکب مشترک یہ تثلیث (رنگا) (اشدیو) ذات اکیلا۔ رسالت کا شرف کس سے ادا ہو یہ مرحلہ

بعد از خدا بزرگ توئی۔ قصہ مختصر

کسی تدلیس سے عرض حال یہ ہے۔ کہ ہم دل پلید دن کو اپنے حضور کی کے طرف سے بچو۔ کہ کے شکر ادا دیں سے عالم ظہور میں لایا۔ ابھی ہم آغوش مادر اور پدر ہی میں تھے۔ کہ تیرے واسطہ ہا اتفاقی کی بیماری نکتہ میں عموماً اور ہر شہر کے دور و نزدیک ہلاکت کا بے شمار جان دان کرنا فرائض منصبی کیا۔ ہماری التماس نے واسطہ کسی کی کیا مجال ہے جو حکم کر سکے۔ فرمان قضا جاری ہو کے سب لیکار بشر مجبور ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ علاج معالجہ تدبیریں جان کیا دیتے ہیں۔ حکومت نے ذرا قبول نہیں کیا ہے۔ یہی تدبیر سرا یا تقصیر میں اسیر ہو کے عجز اور التجا میں اور تو بہ و استغفار خوف اور لاچاری۔ عطف تصورات کی دعا۔ بخشش ... صحت کا انتظام کر سکتے ہیں۔ گو یہ تدبیرات نیک نیتی سے عمل میں

آتی ہیں۔ مگر یہ بھی تو یا قضا و قدر کے مقابلہ میں مقابلہ کرنا ہے۔ کیونکہ تیرا حکم ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں۔ کہ ہمارا مقدر بھی روز ازل سے ہی لوح محفوظ پر قلم قدرت سے درج ہو چکا ہے۔ لیکن تیری ذات لاحد و دہے۔ سہ

قلم جو لکھے اس سے افزود ہے

جو شک اس میں لاسکے وہ مردود ہے

جوں جوں دفعیہ مرض کی تدبیر کی جاتی ہے۔ ماده ترقی ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسانی مداخلت دخل گستاخی اور بھاری جرم ہے۔

خداوندا دنیا کی انتظام و تدبیری نہ ہو گا۔ انسانی طاقت تیرے مقابل نہیں۔ لیکن تو اپنے فضل و کرم کے صدقہ سے معاف فرما۔ خداوندا ہم شیرخوار کی فریاد تیری بارگاہ صمدیت میں بطور عجز عبدیت ہے۔ کہ تیرا لطف و کرم ماں باپ سے زیادہ مخلوق خصوصاً ہماری جماعت پر ہے۔ لیکن ماں باپ کی گود میں اس وجہ سے زیادہ آرام ملتا تھا۔ اور ملتا ہے کہ بقول الجنس مع الجنس کی خاص ہمدردی اور سینہ کے دودھ کا مزا جو کہ حقیقی میں ہوتا ہے۔ مزا کی تمیز کہاں۔ بہ المثل تیجی سے جیسی نہیں۔ جن کی ایجن زندہ ہیں۔ ان کا تیر بھی مردہ ہے۔ کیونکہ خوف مرض اور مفارقت اولاد کے خیال میں ان کی زندگی لبگور ہے۔ جن والدین تیرے ید قدرت سے پرورش ہوتی ہے۔ مگر ایک دم میں ہر اگر خالی ہو جاتا ہمیشہ ناک نقارہ ہے۔

ہماری مشکل کا حل ہونا۔ ذات خالق اکبر دنیا دی رہند۔ ان دنوں تیرے بندے میں جان لیوا ہیں۔ جو ہماری زندگی پر طعنوں کی چہروں سے نیکو نشانہ بنے گی۔ ہر زبان پہ یہ سخن جاری ہو گا۔ کہ عجب بخت اولاد پیدا ہوئی۔ کہ شکم سے نکلتے ہی ماں باپ کو چیٹ کیا۔ افسوس کا منہ دیکھنا نہ چاہیے۔

خلاق عالم! ادنیا ہے طاعون کا تسلط جان لیوا انقلابی موجب خرابی ہے۔ دم کا عدم کر جانا ہے طاعون کا بہانہ ہے۔ رسالت کا وہ ارشاد جو عرض کیا گیا۔ کہ موت کا وقت کیا ہے۔ ارشاد کیا گیا کہ تازگی۔ ایک طرف سلام اور علم زندگی ہے دوسری طرف سلام موت۔ کسی شاعر نے بھی کہا ہے۔ ع

کیا بھروسہ ہے دم بیباک کا

خداوندا ان تو تو قادر مطلق ہے۔ مگر انصاف بھی ایک شے ہے۔ ہم دیکھنا ہو گی عرض سناتے ہیں۔ سہ

کہہ دیں گے ہم یہ حشر میں داور کے سامنے

ہم نے گن کئے۔ تری رحمت کے زور پر

دوسرا شاعر کہتا ہے۔ سہ

کیوں بتوں کو حسن بخشا۔ ہم جو بہولے تھے تجھے
منصفی اے داور روز جزا ست چاہئے

یہ جملہ تو معترضہ تھا۔ گو ہم گنہگار بے اندازہ ہیں۔ پر اپنی شفاعت کا ذخیرہ بھی رکھتے ہیں ❊

صفائی

خداوندا ہم جو بریت پیش کرتے ہیں۔ وہ توبہ تو بہ بطور کفارہ نہیں ہے بلکہ اس لئے کہ ہمارا عقیدہ وہ پاک توحید ہے۔ تو واحد لم یلد ولم یولد ہے مگر عشق کے معاملہ میں بھی تیرا ہی جلوہ ہے۔ جیسا کہ تو سب سے بڑا ہے ویسا ہی تیرا عشق بھی بڑا ہے۔ تو عاشق ہے۔ رسول تیرا معشوق۔ رسول عاشق۔ تو معشوق۔ جب تو نے اپنے رسول کو حبیب کیا۔ تو اس کی آرزو پوری کی۔ یعنے نازبرداری اس کی حسب دلخواہ شفاعت کا فرمان واجب الایقان صادر فرما کر قانونی حکم دیا۔ کہ ہم تیری رضامندی اور خوشنودی مزاج یہاں تک بر لائیں گے۔ جب تک کہ تو نہ راضی ہو گا۔

عالیجاہ خداوندا ہم پر رحم کر۔ اور اس دار الحکم کو موقوف کر۔ اور عصیان کبار کا قصور معاف فرما۔ تو الک یوم الدین۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اہدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم۔ اے حاکم دن عدل بخشش کے ہم تجھ کو پوجتے ہیں۔ اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ چلا ہم کو راہ سیدھی جیسا کہ چلایا پہلوں کو راہ سیدھی۔ ہم پہ انعام کر اپنی نعمت۔ جیسی کہ کرچکا ہے اوروں پر۔ نہ اُن پر جن پر تیرا غضب ہے۔ آمین۔

ہماری ماؤں کی فریاد وزاری جب وہ کہتی ہیں۔ کہ ہمارا مالک مرا۔ ہم پر مصیبت کا اوبار۔ فاقوں سے بہوک نے مارا۔ کوئی سہارا نہیں ہے۔ وہ کیا ہماری مری میت اگرچہ اور فرقوں سے بھی بہت ہے اور فرقوں کے سامنے گھسیٹے جاتے ہیں لکڑیوں میں بہر کر پھینکے اور جلائے جاتے ہیں حالت مرض میں کوئی پاس آتا نہیں۔ بیری دنوں میں آتا ہے۔ کہ گہر سے باہر زندہ پھینک دو۔ یہ حال جیتے عزیزوں کا ہے۔

اس قدر دلگیر ہیں۔ ہم بے زبان نا باتوں کا کون پرسان حال ہو۔ جیسے تو جب ہو کہ وہ فارغ البال ہو۔ امید وار ہیں کہ وہ بائی دور کو مجبور کر کر مسرور کرے آمین۔ ثم آمین ❊

(نمبر۳) جوانوں کی فریاد۔ خداوندا بے شک ہم گمراہی کی راہ جا رہے ہیں۔ ہماری گمراہی نے ہم کو یہ صد سرجانگاہ دکھایا۔ ہر گاہ تو نے قانون میں ہم کو آگاہ کیا کہ نافرمانی کا مزہ برا ہے۔ مگر تو رحم کر ❊

سائل نمبر ۱۷۳۵۔ از لشکر گوالیار

چٹکلے کی سیر

حضرت شیخ الیسوع۔ دہلی شیخ زادہ ظرافت۔ مذاق کی تسلیم کی پڑیا ہانڈ رکھتا ہوں۔ ہنستے ہنستے لوٹ نہ جائیے گا۔ اجی جناب آپ کون ہیں۔ حضرت میں ہوں مظاہر ظرافت کو ظاہر کیا۔ یعنے الحیان کا محتاج الی البیان۔ بھئی میں تو بالکل نہیں سمجھتا۔ کہتا ہر چہ جیز ناست۔ قبلہ کا ہر نفس اینجانب بست۔ اخاہ اخاہ۔ آپ ہیں خلف حضرت عباس۔ ہاں کیا آپ مجھ کو نہیں پہچانتے۔ پہچانتا ہوں ضرور۔ مگر کم۔ کیجئے مجھے۔ آپ کی ظرافتیں سنائیں دکھائی دیتی تھیں۔ تو فرمائیے کہاں تشریف لائے۔ جی صاحب آیا۔ اور ایک غزل لایا ہوں۔ اینجانب نے رات کو چٹکلے میں ایک بی صاحبہ کو یہ غزل سریلی آواز میں گاتے ہوئے دیکہا۔ غزل

کرے رخ سے تیرے برابری۔ بھلا ایسا اب قمر نہیں
کہ اسے زوال کا خوف ہے۔ اسے ہے کمال۔ حذر نہیں ❊

جو ہے دل میں عشق رخ صنم۔ تو ہیں پڑہتے سورۂ شمس ہم
نہیں چین لیتے ہیں ایک دم۔ مگر ان کو میری خبر نہیں ❊

نہیں کاٹے کٹتی ہے شب مری۔ نہیں جان بچنے کی اب مری
ہوئی حالت اب تو عجب مری۔ شب غم کی ہوتی سحر نہیں

کہا مجھ سے وصل کی چاہ میں ملے مجھ اکل جو وہ راہ میں
ترے نالے ہیں۔ تری آہ میں۔ بخدا ذرا بھی اثر نہیں

تری شکل جب سے نظر پڑی۔ لگی رہتی اشکوں کی ہے جھڑی
ترے دامن کی یاد میں کس گھڑی۔ مرا اشک تر کبھی نہیں

اسے سینچتی ہے جو چشم نم ہے سبب [illegible]
کبھی دے گا پھل یہ نہال غم۔ مگر اس شجر میں ثمر نہیں

مرا یار ہے مہ بے بدلہ گر۔ کہیں شمس ہے۔ وہ کہیں قمر
اسے خاک دیکہے کا وہ بشر۔ مجھے دیکھنے کی نظر نہیں ❊

مرا دم میں چھت تربیت میں۔ دم حرم میں ہے۔ وہ کنشت میں [illegible]